© rasailojaraid.com

تدوینِ قرآن بعہد صدیقی کے منہج کا تحقیقی جائزہ۔۔۔۲

حافظ محمد عبدالقیوم*

سورۃ توبہ کی مفقود آیات کے قصہ کی وضاحت:

تدوین قرآن سے متعلق روایت میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ اس وقت سورۃ توبہ کی آخری دو آیات تحریری صورت میں نہیں مل رہی تھیں مگر بعد میں وہ ایک صحابی سے مل گئیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ دو آیات اس صحابی کے علاوہ کسی کو یاد نہیں تھیں یا اُن کے علاوہ کسی کو اِن آیات کا جزوِ قرآن ہونے کے بارے میں علم نہیں تھا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی یہ آیات نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں لکھی ہوئی نہیں مل رہی تھیں۔ جس صحابی سے یہ آیت ملی تھی روایات میں تین نام ملتے ہیں:

الف۔　　حضرت خزیمہ بن ثابتؓ۔

ب۔　　حضرت ابوخزیمہؓ۔

ج۔　　حضرت حارث بن خزیمہؓ۔

یہ تین نام ایک ہی شخصیت کے ہیں یا تین الگ الگ شخصیات ہیں؟ ذیل میں اس پر تفصیلی بحث کی جاتی ہے۔

”ابوخزیمہ“ کی شخصیت کا تعین:

سورۃ توبہ کی آخری آیات تحریری صورت میں کس صحابی سے ملی تھیں؟ روایاتِ جمع و تدوینِ قرآن میں سے بعض میں حضرت خزیمہؓ اور بعض میں حضرت ابوخزیمہؓ کا نام آتا ہے، جبکہ کچھ میں ”خزیمة أو أبی خزیمة“ کے الفاظ ہیں یعنی خزیمہ یا ابوخزیمہ ان دونوں میں سے کوئی ایک صحابی تھے۔ محدثین اور شارحینِ حدیث کے اس بارے میں مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں، جن کا ذیل میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

علامہ ابن جوزی کا موقف:

ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی معروف بہ ابن جوزی (م۔۵۹۷ھ) کے نزدیک سورۃ توبہ کی آخری دو آیات نہ ملنے کا قصہ عہدِ صدیقی اور سورۃ احزاب کی آیت تیئس (۲۳) کے نہ ملنے کے واقعہ کا تعلق عہدِ عثمانی سے ہے۔ جبکہ دونوں سورتوں کی آیات حضرت خزیمہؓ ذوالشہادتین ہی سے ملی تھیں۔ یعنی ان کے نزدیک دونوں جگہ ایک ہی شخصیت ہے:

”والآیتان وجدتا مع خزیمة، فآخر التوبة وجدوها معه فی زمن أبی بکر، والآیة من

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الأحزاب وجدوها معه فی زمن عثمان''(۱)

علامہ کرمانی کی رائے:

علامہ محمد بن یوسف کرمانی (م۔۷۹۶ھ) شارح صحیح بخاری کا رجحان یہ ہے کہ عہد صدیقی میں سورۃ براءۃ کی آخری دو آیات حضرت حارثؓ بن خزیمہ سے ملی تھیں۔(۲)

علامہ ابن بطال کی رائے:

علامہ ابوالحسین علی بن خلف معروف بہ ابن بطالؒ (م۔۴۴۹ھ/۱۰۵۷ء) اپنی شرح صحیح بخاری میں مہلب نامی شخص کے حوالے سے اپنا موقف لکھتے ہیں کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ابوخزیمہؓ نامی صحابی سے ملی تھیں جبکہ سورۃ احزاب کی آیت حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے ملی تھی۔ واضح رہے کہ مہلب کے نزدیک ''ذوالشھادتین'' کا لقب حضرت خزیمہ بن ثابت کا نہیں بلکہ حضرت ابوخزیمہ کا ہے۔ اس طرح ابن بطال کے نزدیک ذوالشہادتین صحابی کا تعلق عہدِ صدیقی سے ہے۔ ابن بطال لکھتے ہیں:

''الآیة التی فی التوبة وجدت مع أبی خزیمة، والتی فی الأحزاب لیست صفة النبی ﷺ وهذه وجدت مع خزیمة بن ثابت، وهو غیر أبی خزیمة، فلا تعارض فی هذا، والقصة غیر القصة لا اشکال فیها ولا التباس والسورة غیر السورة، والتی فی الأحزاب سمعها زید وخزیمة من النبی ﷺ فهما شاهدان علی سماعها منه، وانما أثبتت التی فی التوبة بشهادة أبی خزیمة وحده لقیام الدلیل علی صحتها فی صفة النبی ﷺ، فهی قرینة تغنی عن طلب شاهد آخر''(۳)

اس سلسلہ میں ابن بطالؒ کی تحقیق کو راجح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ ''حضرت خزیمہ بن ثابت'' کی شخصیت کے بارے میں علمائے اسماء الرجال کا اتفاق پایا جاتا ہے کہ یہی ''ذوالشھادتین'' کے لقب سے مُلقب ہیں۔ جیسا کہ آگے چل کر اس پر مزید بحث کی جائے گی۔

علامہ بدرالدین عینیؒ کا موقف:

علامہ بدرالدین عینیؒ (م۔۸۵۵ھ) اس بات کے قائل ہیں کہ عہدِ صدیقی میں حضرت خزیمہؓ بن ثابت ملقب بہ ''ذوالشھادتین'' سے سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ملی تھیں:

''نقول: ثبت أن خزیمة شهادته بشهادتین فاذا شهد فی هذا وحده کان کافیاً''(۴)

جبکہ علامہ بدرالدین عینیؒ دوسری دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ سورۃ توبہ کی آیات حضرت خزیمہؓ سے نہیں بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابوخزیمہؓ سے ملی تھیں۔اس طرح حضرت ابوخزیمہؓ کو حضرت خزیمہ بن ثابتؓ پر ترجیح دیتے ہیں:

''ورواية من قال: مع أبی خزيمة أصح، والذی وجد معه آخر سورة التوبة أبو خزيمة بالكنية، والذی وجد معه الآية من الأحزاب خزيمة، واسم أبی خزيمة لا يعرف وهو مشهور بكنية وهو ابن أوس بن زيد بن أصرم ''(۵)

علامہ بدرالدین عینیؒ تیسرے مقام پر یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ حضرت ابوخزیمہ ہی ''ذوالشہادتین'' ہیں:

''وهو ابن أوس بن زيد بن أصرم بن زيدبن ثعلبة بن غنم بن مالك بن النجار، وأبوخزيمة هوالذی جعل الشارع شهادته بشهادة رجلين ''(۶)

گویا کہ علامہ بدرالدین عینی اس مسئلہ میں خود متردد نظر آرہے ہیں جس سے ان کی طرف کسی ایک موقف کو منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

علامہ قسطلانی کا نقطۂ نظر:

علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد قسطلانیؒ (م۔۹۲۳ھ) شرح صحیح بخاری میں حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق سے متفق نظر آتے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوخزیمہؓ کا تعلق عہدِ صدیقی سے ہے جبکہ حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کا عہدِ عثمانی سے ہے:

''والتحقيق كما قال فی فتح الباری أن آية التوبة مع أبی خزيمة بالكنية وآية الأحزاب مع خزيمة''(۷)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے:

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جو علمِ رجال میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں اور جبل العلم کے لقب سے مشہور ہیں۔وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت ابوخزیمہ کا تعلق عہدِ صدیقی سے ہے جبکہ حضرت خزیمہؓ بن ثابت کا عہدِ عثمانی سے ہے:

''والأرجح أن الذی وجد معه آخر سورةالتوبة أبو خزيمة بالكنية ،والذی معه الآية من الأحزاب خزيمة''(۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''والتحقيق أن آية التوبة مع أبی خزيمة وآية الأحزاب مع خزيمة''(۹)

حافظ ابن حجر اس سلسلہ میں جس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ ابوخزیمہؓ سے حضرت حارث بن خزیمہؓ ہی مراد ہیں، وہ حسبِ ذیل ہے:

''أتى الحارث بن خزيمة بهاتين الآيتين من آخر سورة براءة ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ......وَ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ الى عمر...... فقال عمر: وأنا أشهد أني لسمعتها من رسول الله ﷺ". (۱۰)

پھر اس کے بعد ''ابوخزیمہ'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے کون سی شخصیت مراد ہے؟ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''ابوخزیمہ'' سے مراد وہ صحابی ہیں جن کا نام ''ابن أوس بن یزید'' ہے، اور بعض محققین کی رائے ہے کہ حارث بن خزیمہ صحابی مراد ہیں:

''وأبوخزيمة قيل: هو ابن أوس بن يزيد بن أصرم مشهور بكنيته دون اسمه، و قيل: هو الحارث بن خزيمة''(۱۱)

حافظ ابن حجرؒ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حارث بن خزیمہ اور ابوخزیمہ دو مختلف شخصیات نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخصیت ہے:

''أن أبا خزيمة هو الحارث بن خزيمة لا ابن أوس''(۱۲)

اس سلسلہ میں یہ بات واضح رہے کہ ابن حجرؒ کے نزدیک حضرت خزیمہ بن ثابتؓ ہی ''ذوالشہادتین'' کے لقب سے مشہور ہیں۔

امام بخاری کا رجحان:

امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۲ھ) جامع صحیح میں جو منفرد اور ممتاز اسلوب کا اظہار فرماتے ہیں اس کے پیش نظر ''کتاب فضائل القرآن'' کے باب ''جمع القرآن'' میں جمع قرآن بعہد صدیقی سے متعلق جو روایت لے کر آئے ہیں، اس میں ابوخزیمہ نامی صحابی کا نام ہے، جس سے امام بخاری کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات جس صحابی سے ملی تھیں وہ ابوخزیمہ (حارث بن خزیمہ) تھے جو ذوالشہادتین نہیں تھے۔

علامہ زرکشی کے مؤقف کا جائزہ:

علامہ بدرالدین زرکشیؒ (م ۷۹۴ھ) کا موقف یہ ہے کہ حضرت ابوخزیمہؓ کا لقب ''ذوالشہادتین'' (یعنی ان کی گواہی دو گواہوں کے مساوی قرار دی گئی تھی) ہے اور ان سے سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ملی تھیں:

''الصواب خزيمة من غير شك''۔(۱۳)

علامہ بدرالدین زرکشیؒ کا رجحان جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے اس طرف ہے کہ حضرت ابوخزیمہ انصاری ذوالشہادتین کا تعلق عہدِ صدیقی سے ہے اور سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ان سے ملی تھیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جس بات سے استدلال کیا ہے وہ صحیح بخاری کی روایت ہے، جس کو اپنی کتاب ''البرھان فی علوم القرآن'' میں نقل کرتے ہیں، مگر اس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''أبوخزیمة الأنصاری'' کے بعد''الذی جعل النبی ﷺ شهادته بشهادة رجلین'' کے الفاظ کا اضافہ اس طرح کردیا ہے کہ وہ صحیح بخاری کے متن کے ساتھ مل گیا ہے۔علامہ زرکشی کی عبارت ملاحظہ ہو:

''روی البخاری فی صحیحه: عن زید بن ثابت قال: أرسل الیّ أبوبکر......

حتی وجدت آخر التوبة ﴿لقد جآء کم﴾ مع أبی خزیمة الأنصاری الذی جعل النبی ﷺ شهادته بشهادة رجلین....... ''(۱۴)

جبکہ امام بخاریؒ نے جامع صحیح میں چار مقامات پر یہ روایت نقل کی ہے لیکن صحیح بخاری میں کسی بھی مقام پر''مع أبی خزیمة الأنصاری'' کے بعد''الذی جعل النبی ﷺ شهادته بشهادة رجلین'' کے الفاظ کا اضافہ نہیں ہے۔(۱۵)

اہم بات یہ ہے جن روایات میں سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ملنے کا ذکر آیا ہے ان میں سے کسی بھی روایت میں'' خزیمہ/ابوخزیمہ/حارث بن خزیمہ'' کے نام کے ساتھ''الذی جعل رسول الله ﷺ شهادته بشهادة رجلین ''یا ''وکان خزیمة ذاالشهادتین'' کے الفاظ نہیں آئے،البتہ اِس طرح کے الفاظ ان روایات کے ساتھ آئے ہیں جن میں سورۃ احزاب کی آیت ملنے کا قصہ ہے(۱۶)،اوراس قصہ کا تعلق عہد عثمانی سے ہے جس کی وضاحت اپنے مقام پر کی جائے گی۔

علامہ سیوطیؒ کے مؤقف کی وضاحت:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م۔۹۱۱ھ) اپنی کتاب''الاتقان فی علوم القرآن'' میں تدوینِ قرآن بعہدِ صدیقی میں نصابِ شہادت پر بحث کرتے ہوئے ایک روایت نقل کرتے ہیں ۔ یہ روایت علامہ سیوطی نے ابن اشتہ کی''کتاب المصاحف'' سے راوی لیث بن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے:

''أخرج ابن أشتة فی المصاحف عن اللیث بن سعد ، قال: أوّل من جمع القرآن أبوبکر وکتبه زید وکان الناس یأتون زید بن ثابت فکان لا یکتب آیة الاّ بشاهدی عدل وان آخر سورة براء ة لم توجد الاّ مع أبی خزیمة بن ثابت،فقال: أکتبوها، فان رسول الله جعل شهادته بشهادة رجلَین فکتب ''(۱۷)

مگراس کونقل کرتے ہوئے ان سے سہو ہوگیا،نتیجتاً''أبو خزیمة'' کے نام کے ساتھ''أبی خزیمة بن ثابت فقال اکتبوها فان رسول الله ﷺ جعل شهادة بشهادة رجلین'' کے الفاظ کا اضافہ ہوگیا۔(۱۸)

علامہ سیوطیؒ نے''ابوخزیمہ بن ثابت'' لکھ کر دو شخصیات''خزیمہ'' اور''ابوخزیمہ'' کو ملا دیا،اورصرف دونوں کو باہم ملایا ہی نہیں بلکہ اس کو''ذ والشہادتین'' بھی قرار دے دیا۔علامہ سیوطیؒ کی اس غلطی کی وجہ سے تدوینِ قرآن بعہدِ صدیقی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق آنے والے دور میں اس بات کو شاید ایک اٹل حقیقت کے طور پر مان لیا گیا کہ ذوالشہادتین صحابی کا تعلق عہدِ صدیقی سے ہے۔

ابن اشتہ کی کتاب المصاحف اگر چہ آج مفقود ہے مگر جہاں تک لیث بن سعد کی روایت کا تعلق ہے تو ان کی روایت میں صرف ''ابوخزیمہ'' کے الفاظ ہیں، وہ الفاظ نہیں ہیں جن کو علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے۔ امام بخاریؒ ''کتاب التفسیر'' میں تدوینِ قرآن بعہدِ صدیقی کے متعلق روایت ''أبو الیمان أخبرنا شعیب عن الزھری'' کی متابع روایات نقل کرتے ہیں جن میں سے دو روایات حضرت لیث بن سعد ہی کی سند سے ہیں:

''تابعه اللیث عن یونس عن ابن شھاب''

''وقال اللیث: حدثنی عبد الرحمٰن بن خالد عن ابن شھاب''

پھر لیث بن سعد کی روایت کے الفاظ درج کرتے ہیں:

''وقال: مع أبی خزیمة الأنصاری''(۱۹)

اس کے بعد امام بخاریؒ اپنی کتاب جامع صحیح کے باب ''کتاب التوحید'' میں حضرت لیث بن سعد سے مکمل روایت نقل کرتے ہیں:

''حدثنا موسیٰ عن ابراھیم حدثنا ابن شھاب عن عبید بن السباق ن زید بن ثابت وقال اللیث حدثنی عبدالرحمٰن بن خالد عن ابن شھاب عن ابن السباق أن زید بن ثابت حدثه قال أرسل الیّ أبو بکر فتتبعت القرآن حتی وجدت آخر سورة التوبة مع أبی خزیمة الأنصاری لم أجدھا مع أحد غیرہ ﴿لقد جآء کم رسول من أنفسکم﴾ حتی خاتمة براءة''(۲۰)

پھر امام بخاری درج بالا روایت نقل کرنے کے فوراً بعد لکھتے ہیں:

''حدثنا یحیٰ بن بکیر حدثنا اللیث عن یونس بھذا وقال مع أبی خزیمة الأنصاری''(۲۱)

اس طرح یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت لیثؒ بن سعد سے مروی روایت میں علامہ سیوطیؒ کے الفاظ ''ابوخزیمہ بن ثابت'' نہیں ہیں اور نہ ہی میرے علم کی حد تک ایسے الفاظ ذخیرۂ کتبِ حدیث میں موجود ہیں، بلکہ روایت میں صرف ''ابوخزیمہ'' کے الفاظ ہیں۔

علامہ سیوطیؒ سے اس روایت کے نقل کرنے میں دوسرا تسامح یہ ہوا کہ الفاظ ''فقال: اکتبوھا فان رسول الله

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ﷺ جعل شهادته بشهادة رجلين" کا اضافہ کر دیا جس سے یہ لازم آتا ہے کہ شاید ابوخزیمہ ہی ذوالشہادتین کے لقب سے ملقب تھے۔ حالانکہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات نہ ملنے کا تذکرہ جن روایات میں آیا ہے ان میں یہ الفاظ نہیں ہیں (غالب گمان یہی ہے کہ علامہ سیوطی نے یہ الفاظ علامہ زرکشی سے نقل کیے ہیں)۔ البتہ جن روایات میں سورۃ احزاب کی آیت نہ ملنے کا قصہ ہے ان روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں اور اس بات کا تعلق عہدِ عثمانی سے ہے۔

پھر اردو زبان میں جب علامہ سیوطی کی کتاب کا ترجمہ ہوا تو اس سے بھی یہی مفہوم ابھر کر سامنے آیا:

"اور سورۃ براءۃ کا خاتمہ ابوخزیمہ بن ثابت کے پاس ملا، تو ابوبکرؓ نے کہا اس کو لکھ لو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ابوخزیمہ کی شہادت دو گواہوں کے برابر مانی ہے۔ چنانچہ زیدؓ نے اس کو لکھ لیا۔" (۲۲)

الاتقان کے متداول نسخوں کا جائزہ:

اگر "الاتقان فی علوم القرآن" کتاب کے دنیا میں موجود مخطوطات کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں بھی "ابو خزیمہ بن ثابت" کے الفاظ ہیں۔

اسی طرح متحدہ ہندوستان میں جو پہلا مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (Asiatic Society of Bengal) نے ایڈٹ کروایا اس میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ اس کو ایڈٹ کرنے والے مولوی بشیر الدین اور مولوی نور الحق وغیرہ تھے جبکہ اس کا تجزیہ/اہتمام ڈاکٹر الوئے سپرنگر (Dr. Aloys Sprenger) (م۔۱۸۹۳ء) نے کیا، اور یہ کلکتہ سے ۱۸۵۲ء میں شایع ہوا۔

"الاتقان فی علوم القرآن" کا وہ نسخہ جو مطبعہ ازھریہ، مصر سے ۱۳۱۸ھ میں شایع ہوا اس میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ (۲۳)

محمد شریف سکّر کے مقدمہ و تعلیق اور مصطفیٰ القصاص کی مراجعت کے ساتھ شایع ہونے والے الاتقان فی علوم القرآن کے ایڈیشن میں بھی "ابوخزیمہ بن ثابت" کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ (۲۴)

جبکہ گزشتہ چند سال قبل شایع ہونے والے بعض نسخوں میں ان کے محققین نے علامہ سیوطی کے متن میں تصرف کرتے ہوئے الفاظ "ابوخزیمہ بن ثابت" کو "خزیمہ بن ثابت" سے بدل دیا۔ یہ بات واضح رہے کہ انہوں نے اس نسخہ کو مخطوطات سے موازنہ (Collate) کرنے کے بعد ایڈٹ نہیں کیا بلکہ پرانے ایڈٹ شدہ نسخے کو صرف احادیث کی تخریج کیساتھ شایع کیا۔

اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو، احمد بن شعبان بن احمد کی تخریج والا ایڈیشن جو مکتبہ الصفا قاہرہ، مصر سے ۲۰۰۶ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۴۲۷/ھ میں شائع ہوا، اس میں ''خزیمہ بن ثابت'' لکھا گیا ہے۔

فواز احمد زَمرلی کی تحقیق وتعلیق اور تخریج والا ایڈیشن، جو دار الکتاب العربی بیروت، لبنان سے ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ میں شائع ہوا، اس میں ''خزیمہ ابن ثابت'' کے الفاظ ہیں۔ یہ نسخہ بھی کسی مخطوطہ سے ایڈٹ نہیں کیا گیا بلکہ مختلف طباعتوں کے ساتھ موازنہ کے بعد شائع کیا گیا۔ فواز زمرلی لکھتے ہیں:

''لقد قمتُ بتحقیق الکتاب مقارناً بین طبعاته المختلفة، وان کانت کلها متشابهة، فکلهم أخذ عن طبعة واحدة، وقمت بتصحیح الکتاب بالرجوع الی المصادر التی استقی منها السیوطی مادة کتابه''۔(۲۵)

علامہ سیوطیؒ کی آخری تحقیق:

علامہ سیوطیؒ کی اس مسئلہ میں آخری تحقیق وہ ہے جو انہوں نے ''الاتقان فی علوم القرآن'' کے بعد لکھی جانے والی اپنی دوسری کتاب ''التوشیح شرح الجامع الصحیح'' میں پیش کی ہے۔ علامہ سیوطی اس کتاب میں حافظ ابن حجرؒ کے مؤقف کو تسلیم کرتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات جس صحابی سے ملی تھیں ان کا نام حارث بن خزیمہ تھا اور جس صحابی سے سورۃ احزاب کی آیت ملی تھی ان کا نام خزیمہ بن ثابت تھا:

''والصواب أن الذی وجد معه آخر سورة التوبة أبو خزیمة بالکنیة، واسمه الحارث بن خزیمة، والذی وجد معه آیة الأحزاب خزیمة بن ثابت ذو الشهادتین'' (۲۶)

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ سیوطیؒ اپنی گزشتہ تحقیق پر ابن حجرؒ کی تحقیق کو راجح قرار دیتے ہیں۔ اس طرح یہی بات سامنے آتی ہے کہ حضرت حارث بن خزیمہ سے سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ملی تھیں۔

اس بات کے تعین کے بعد کہ یہ آیات حضرت حارث بن خزیمہ سے ملی تھیں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ توبہ کی مذکورہ آیات اگر صرف ایک صحابی سے ملی تھیں تو پھر ان آیات کی قرآنیت کیا خبر واحد سے ثابت ہوتی ہے؟ جب کہ قرآن کی قرآنیت کے لیے تواتر شرط ہے۔ اس پر بحث ذیل میں کی جاتی ہے۔

سورۃ توبہ کی آیات اور نصابِ شہادت:

اس سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ کو یہ ہدایت کی تھی کہ جو بھی تمہارے پاس قرآن مجید کی آیت لے کر آئے اس سے اس پر دو گواہ طلب کیے جائیں (جیسا کہ شہادت رجلین پر بحث کی جا چکی ہے)۔ گزشتہ صفحات میں اپنے مقام پر یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دو گواہوں سے حفظ یعنی تواتر اور کتابت مراد ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تحریر کیا ہے۔ مگر بعض محققین نے حفظ و کتابت کی بجائے منادی عام کے بعد تحریری صورت میں قرآنی آیات لانے والے حضرات ہی سے دو گواہ طلب کیے جاتے تھے۔ اس مؤقف کے اختیار کرنے سے قرآن کی کتابت کی تو تصدیق ہوسکتی ہے مگر قرآن کی ترتیب اور اس کا نظم، نسخ، اور عرضہ اخیرہ وغیرہ کس طرح ثابت کیے جاسکتے ہیں؟

اسی طرح بعض محققین کی اس توجیہ کو اگر سورۃ توبہ کی آیات کے مفقود ہونے کے قصہ پر منطبق کیا جائے تو تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں، اور سورۃ توبہ کی مفقود آیات کے قصہ میں استثنائی مؤقف اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ جب کہ حافظ ابن حجر کے مؤقف سے کسی طرح کے معذرت خواہانہ رویہ کو اختیار کرنے اور خاص اس مسئلہ میں استثنائی صورت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

ان بعض محققین جن میں علامہ ابن بطال اور علامہ بدرالدین عینی وغیرہ شامل ہیں کے نزدیک سورۃ توبہ کا نصابِ شہادت کس طرح پورا ہوتا ہے؟

علامہ ابن بطالؒ اپنا موقف لکھتے ہیں کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات جس صحابی سے ملی تھیں وہ حضرت ابوخزیمہؓ نامی صحابی سے ملی تھیں جن کا لقب ذوالشہادتین تھا، مگر یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ابن بطال کے نزدیک ''ذوالشہادتین'' کا لقب حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کا نہیں بلکہ حضرت ابوخزیمہؓ کا ہے۔ اس طرح ابن بطال کا کہنا ہے کہ سورۃ توبہ کی مفقود آیات جب ذوالشہادتین کے لقب سے ملقب صحابی سے مل گئیں تو انہی ایک صحابی کی گواہی کو ذوالشہادتین کے لقب کی وجہ سے دو کے مساوی قرار دے کر ان آیات کا نصاب شہادت پورا کر کے اثبات کیا گیا۔ ابن بطال لکھتے ہیں:

''وانما أثبتت التی فی التوبة بشهادة أبی خزيمة وحده لقيام الدليل على صحتها فی صفة النبی ﷺ ، فهی قرينة تغنی عن طلب شاهد آخر''(۲۷)

یہی مؤقف علامہ بدرالدین عینی نے بھی اختیار کیا ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر قرار دی گئی تھی، اس لیے نصاب شہادت پورا کرنے کے لیے تنہا یہ صحابی کافی تھے۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ علامہ عینی نے ابن بطال کے برعکس حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کو ذوالشہادتین قرار دیتے ہیں:

'' ثبت أن خزيمة شهادته بشهادتين فا ذا شهد فی هذا وحده كان كافياً''۔(۲۸)

جب کہ حافظ ابن حجر کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے سورۃ توبہ کی آخری دو آیات ذوالشہادتین صحابی حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے نہیں بلکہ حضرت حارث بن خزیمہ سے ملی تھیں جو ذوالشہادتین نہیں تھے۔ واضح رہے علم جرح تعدیل اور رجال میں حافظ ابن حجر سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی تحقیق کو اس مسئلہ میں راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے مؤقف کو تسلیم کرنے سے سورۃ توبہ کی آیات کا نصابِ شہادت کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے؟ کہ جس صحابی سے وہ آیات ملی ہیں وہ ذوالشہادتین نہیں ہے۔ اب کیا حافظ ابن حجر نے صرف ایک گواہ سے ان آیات کا اثبات کیا؟ یقیناً نہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی طرف سے عائد کردہ دو گواہیوں کی شرط کی توجیہ یعنی حفظ و کتابت کو پیش نظر رکھ کر حافظ ابن حجر کے مؤقف کا جائزہ لیا جائے کہ زیر بحث مسئلہ میں ایک گواہی یعنی کتابت تو سورۃ توبہ کی آخری دو آیات لانے والے خود صحابی رسول حضرت ابوخزیمہؓ (حضرت حارث بن خزیمہؓ) نے دے دی، جبکہ دوسری گواہی یعنی حفظ سے تصدیق کے لیے روایات میں حضرت زیدؓ، حضرت عمرؓ، حضرت اُبیؓ بن کعب اور حضرت عثمانؓ کا نام ملتا ہے، کہ اِن صحابہ کرام نے بذریعہ حفظ وتواتر اِن آیات کی تصدیق کی، جس سے ان کے عرضہ اخیرہ کے مطابق ہونے کی بھی تصدیق ہو جاتی ہے۔ مثلاً درج ذیل روایت میں حضرت عمرؓ کے الفاظ قابلِ غور ہیں:

الف۔ ''عن عباد بن عبدالله بن زبير قال: أتى الحارث بن خزيمة بهاتين الآيتين من آخر سورة براءة فقال: أشهد أني سمعتهما من رسول الله ﷺ ووعيتهما، فقال عمر: وأنا أشهد لقد سمعتهما من رسول الله ﷺ''۔(۲۹)

درج بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے الفاظ ''أنا أشهد لقد سمعتهما'' سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نہ صرف نصابِ شہادت پورا کیا بلکہ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ ان کے عرضہ اخیرہ میں شامل ہونے کی تصدیق کی۔ اس طرح ان آیات کی قرآنیت کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے۔

درج ذیل روایت سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت عثمانؓ ان آیات سے واقف تھے:

ب۔ ''حدثنا عبدالله حدثنا أبو ظاهر حدثنا ابن وهب قال أخبرني عمر بن محمد بن طلحة الليثي عن محمد بن عمرو بن علقمة عن يحيى بن عبدالرحمٰن بن حاطب، .....فجاء خزيمة بن ثابت فقال: اني قد رأيتكم تركتم آيتين لم تكتبوهما، قال: وما هما؟ قال تلقيت من رسول الله ﴿لقد جآء كم رسول من أنفسكم﴾ قال عثمان: وأنا أشهد أنهما من عند الله''۔(۳۰)

حضرت اُبیؓ بن کعبؓ جو حضرت زید بن ثابتؓ کے اسلام لانے سے قبل مدینہ منورہ میں کاتبِ وحی تھے، ان کے الفاظ ''فقال أُبيّ: ان رسول الله ﷺ قد أقرأني بعدهن آيتين ﴿لقد جآء كم رسول من أنفسكم﴾'' اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات سے آگاہ تھے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ج۔ " حدثنا عبدالله حدثنا عبدالله بن محمد بن النعمان، قال: حدثنا محمد قال: حدثنا أبوجعفر عن الربيع عن أبى العالية أنهم جمعوا القرآن فى مصحف فى خلافة أبى بكر فكان رجال يكتبون ويملى عليهم أُبيّ بن كعب، فلما انتهوا الى هذه الآية من سورة براء ة: ﴿ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم بأنهم قوم لا يفقهون﴾، فظنوا أن هذا آخرما أنزل من القرآن، فقال أُبيّ: ان رسول الله ﷺ قد أقرأنى بعدهن آيتين ﴿لقدجآء كم رسول من أنفسكم﴾"۔(۳۱)

اور پھر خود حضرت زیدؓ کے الفاظ "حتى فقدت آية كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأها ﴿لقد جآء كم رسول من أنفسكم﴾" اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ وہ ان آیات سے واقف اور حافظ تھے:

د۔ " حدثنا عبدالله قال حدثنا عمرو بن على بن بحر قال: حدثنا أبو داود قال: حدثنا ابراهيم بن سعد حدثنا الزهرى قال: أخبرنى عبيد بن السباق أن زيد بن ثابت حدثه قال: أرسل الى أبوبكر ....حتى فقدت آية كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأها ﴿لقد جآء كم رسول من أنفسكم﴾"۔(۳۲)

اس طرح اگر درج بالا تمام روایات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت زید کے الفاظ "لم أجدهما مع أحد غيره" میں آیات کے مفقود ہونے کی نہیں بلکہ تحریری طور پر نہ ملنے کی نفی ہو رہی ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ آیات نہ ملنے سے مراد اُن کا تحریری صورت میں نہیں ملنا ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ محفوظ نہیں تھیں:

"والحق أن المراد بالنفى نفى وجودها مكتوبة، لا نفى كونها محفوظة"۔(۳۳)

حافظ ابن حجرؒ اس بات کی یہ توجیہ بھی کرتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کے الفاظ "لم أجدهما مع أحدٍ غيره" (میں نے ان آیات کو حضرت ابوخزیمہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پایا) سے مراد "أول ما كتبت" (یعنی رسمِ قرآنی کی وہ صورت جو پہلی مرتبہ لکھی گئی)۔(۳۴)

اس طرح ان چار صحابہ کرامؓ کی مختلف روایات میں موجودگی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ صحابہ کرامؓ وہاں کمیٹی میں موجود تھے اور ان آیات سے آگاہ تھے۔ البتہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں تحریر شدہ اول نسخہِ کتابت دستیاب نہیں ہو رہا تھا جو بعد میں حضرت حارث بن خزیمہ کے پاس مل گیا۔(۳۵)

سورۃ توبہ کی آیات کا اثبات بذریعہ خبرِ واحد؟

حافظ ابن حجرؒ کا یہی رجحان سامنے آتا ہے کہ تدوین کے وقت قرآن کو مدون کرنے کا معیار کوئی خبرِ واحد نہیں بلکہ تواتر تھا۔ جس کا ثبوت حافظ ابن حجرؒ کا یہ مؤقف ہے کہ سورۃ توبہ کی آیات تو کئی صحابہ کو حفظ تھیں جن میں سے چار صحابہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منسوب روایات دلیل کے طور پر انہوں نے نقل کی ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس طرح نصابِ شہادت پورا کرنے کے لیے حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کے ''ذوالشہادتین'' کے وصف سے فائدہ اٹھانے کی بھی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ حافظ ابن حجر نے نصاب شہادت کی حفظ اور کتابت ہی سے توجیہ کی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں ان آیات کا اثبات اکیلے ایک شخص کی خبر سے نہیں ہوتا بلکہ جامع صحیح بخاری کی روایت میں تین صحابہ کرام حضرت زیدؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوخزیمہؓ کی موجودگی اور ان کی تصدیق اور آگاہی خبر واحد کی نفی کر رہی ہے۔

''ویوهم أنه كان يكتفي في اثبات الآية بخبر الشخص الواحد، وليس كذلك، فقد اجتمع في هذه الآية زيد بن ثابت وأبو خزيمة و عمر''۔(۳۶)

علامہ کرمانیؒ اور حافظ ابن حجرؒ اس اعتراض کہ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات کا اثبات خبرِ واحد یا شخصِ واحد سے ہوا ہے اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت زید کے الفاظ ''لم أجدهما'' سے مراد ''لم أجدهما مكتوبتين'' ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی چیز میں ''تواتر'' پایا جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس میں یقینِ کامل پیدا ہو اور کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے، اور ایسی خبر واحد جس کی دیگر قرائن سے بھی تصدیق ہو رہی ہو تو وہ بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ یہاں بھی چونکہ ایسے قرائن موجود ہیں جیسے دونوں آیات کا لکھا ہوا ہونا، اور اسی طرح ان کا صحابہ کرام کی موجودگی میں حق اور سچ بات کہنا وغیرہ یہ ایسے قرائن ہیں جو ظن کا نہیں بلکہ یقینِ کامل کا فائدہ دیتے ہیں:

''فان قلت: كيف ألحقهما بالقرآن وشرطه أن يثبت بالتواتر، قلتُ: معناه لم أجدهما مكتوبتين عند غيره أو المراد لم أجدهما محفوظتين، ووجهه أن المقصود من التواتر افادة اليقين والخبر الواحد المحفوف بالقرائن يفيد اليقين أيضاً وكان ههنا قرائن مثل كونهما مكتوبتين ونحوهما وأن مثله لا يقدر في مثله بمحضر الصحابة أن يقول الا حقاً وصدقاً''۔(۳۷)

علامہ زرکشیؒ ''وجدت آخر براءة مع خزيمة ولم أجدهما مع غيره'' کی یہ وضاحت کرتے ہیں کہ وہ آیات طبقۂ خزیمہ میں سے کسی کے پاس نہیں مل رہی تھیں:

''يعني: ممن كانوا في طبقة خزيمة ممن لم يجمع القرآن''۔(۳۸)

اس توجیہ کا امکان اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتا ہے کہ مؤرخ احمد بن ابویعقوب بن جعفر یعقوبی معروف بہ ابن واضح (م۔۲۹۲ھ) کی روایت کے مطابق پچیس صحابہ کرام پر مشتمل جو تدوینِ قرآن کمیٹی بنائی گئی تھی اس میں مہاجرین اور انصار دونوں شامل تھے۔ اس طرح اس بات کا امکان ہے کہ یہ آیات انصار کے گروہ سے نہ مل رہی ہوں، جو بعد میں حضرت ابو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خزیمہ انصاریؓ (یعنی حارث بن خزیمہ) سے مل گئیں۔

قولِ فیصل:

مذاہب کی تاریخ میں بالعموم اور اسلامی تہذیب میں بالخصوص حفظ کو بنیادی اور مرکزی اہمیت حاصل رہی ہے، اسی طرح خود اسلامی تمدن اور خیر القرون کے معاشرہ میں ''حفظ'' کو ''تحریر'' پر فوقیت رہی ہے، جس کا واضح ثبوت حفاظِ کرام کی ایک کثیر تعداد کا ہر دور میں پایا جانا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ تواتر کا دارو مدار حفظ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ سے جتنی بھی احادیث مروی ہیں، ان تمام احادیث میں نبی کریمؐ نے ترغیب اور ترہیب کے ذریعے امت کو حفظِ قرآن پر ابھارا ہے۔ ایسی روایات کم ہیں جس میں آپؐ نے بذریعہ ترغیب اور ترہیب قرآن مجید کو تحریر میں لانے پر ابھارا ہو۔ ہاں اس سلسلہ میں نبی کریمؐ نے یہ اہتمام ضرور فرمایا کہ قرآن کو ضبطِ تحریر میں لازماً لایا جائے اور صحابہ کرامؓ اس کے تحریری نسخے سند کے طور پر اپنے پاس رکھیں مگر اس کا مقصد بھی حفظ ہی تھا۔ ایک مرتبہ نبی کریمؐ صحابہ کرامؓ کو فرماتے ہیں کہ تم کو یہ لکھے ہوئے قرآن کے نسخے جو تمہارے گھروں میں (خشک ہونے کے لیے) لٹکے ہوئے ہیں، حفظ کرنے سے غفلت میں نہ ڈال دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس کے دل میں قرآن ہوگا:

''عن أبی أمامة قال: قال النبی ﷺ: لا تغرنکم هذه المصاحف المعلّقة، ان الله لا یعذب قلباً وعی القرآن''۔ (۳۹)

اس لحاظ سے دو گواہوں سے مراد حفظ و کتابت تھی اور حفظ و کتابت میں سے حفظ ہی معیار تھا اور حفظ کا تعلق عرضہ اخیرہ سے تھا۔

صحفِ صدیقی بعد از عہدِ صدیقی:

عہدِ صدیقی میں جو قرآن مدون ہوا، وہ بعد میں حضرت ابوبکرؓ کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ کے پاس رہا پھر ان کی وصیت کے مطابق حضرت حفصہؓ کے پاس رہا:

''لأنها کانت وصیة عمر''۔ (۴۰)

ان صحف کو ''رُبَعَة'' اور ''رقعة'' بھی کہا جاتا تھا۔ ابن ابی داؤد روایت نقل کرتے ہیں کہ ''رقعة'' جو حضرت عمرؓ کے گھر میں تھا اور جس میں قرآن کریم محفوظ تھا وہ منگوانے پر میری طرف بھیجا گیا:

''عن محمد قال: وأرسل الیَّ الرقعة التی کانت فی بیت عمر فیها القرآن''. (۴۱)

علامہ راغب اصفہانی (م۔ ۵۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ ''المِربَعُ'' لکڑی جس کے ذریعہ چوپایہ پر بوجھ لادا جاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔اصل میں صندوق کو کہا جاتا ہے، کیونکہ اس کی چار پائے ہوتے ہیں۔

"والمِربع خشب يربع به أى يؤخذ الشئ به ، والربيعة الجونة لكونها فى الأصل ذات أربع طاقاتٍ أو لكونها ذات أربع أرجل"۔(۴۲)

علامہ ابن کثیر(م۔) لکھتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا صندوق تھا جس میں صحف کو اکٹھا رکھا گیا تھا اور یہ حضرت حفصہؓ کے پاس تھا:

"الرُبعة هى الكتب المجتمة و كانت عند حفصة"۔(۴۳)

ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری(م۔۵۲۸ھ) "رُبعة" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفتح العطار ربعته وهى جونة الطيب وبها سميت ربعة المصحف"۔(۴۴)

محمد بن مکرم معروف بہ ابن منظور افریقی (م۔۷۱۱ھ) لکھتے ہیں:

"فى حديث هِرَقل: ثم دعا بشئٍ كالربعة العظيمة:اناء مربَّع كالجُونة"۔(۴۵)

علامہ مرتضٰی زَبیدی(م۔۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) لکھتے ہیں کہ "ربعة" سے مراد چوکھونٹا برتن ہے، اس کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ چار پاؤں ہوتے ہیں:

"اناء مربع كالجونة، سميت لكونها فى الأصل ذات أربع طاقات أو لكونها ذات أربع أرجل"۔(۴۶)

علامہ زَبیدی مزید لکھتے ہیں کہ علامہ صاغانی فرماتے ہیں کہ اس میں قرآن کریم کے حصے رکھے جاتے تھے:

"قال الصاغانى:وأما الربعة بمعنى صندوق فيه أجزاء المصحف الكريم"۔(۴۷)

روایات کو دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ "ربعة" ایسے صندوق کو کہا جاتا تھا جس میں صحفِ صدیقی کو محفوظ کیا گیا تھا، تا کہ اس کے اوراق منتشر نہ ہو جائیں۔

صحفِ صدیقی کی حفاظت:

عہدِ صدیقی میں صحفِ صدیقی کی حفاظت کے لیے باقاعدہ طور پر ایک صحابی مقرر کیا گیا تھا، جس کا نام روایات میں "سعد" آتا ہے۔عبدالحیّ کتّانی لکھتے ہیں کہ" **باب فى أن حفظ المصاحف كان له ولاة مختصون به فى زمن أبى بكر** "(اس بارے میں باب کہ عہدِ صدیقی میں مصاحف کی حفاظت کے لیے خادموں کو مقرر کیا گیا تھا) پھر اس کے بعد ابن عبدالسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''فی التعریف برجال مختصر ابن الحاجب لابن عبدالسلام فی ترجمة أبی بکر أن عمر کان قاضیه وعثمان کاتبه وسعد مولٰی مصاحفه''۔(۴۸)

تدوینِ قرآن کے متعلق حضرت ابوبکرؓ کے تحفظات:

علامہ محمد زاہد الحسن الکوثری (م۔۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء) حضرت ابوبکرؓ کے ابتدائی تردّد کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ مبادا میرے اس فعل یعنی تدوین سے لوگ حفظِ قرآن میں کاہلی اور سستی کا مظاہرہ نہ کرنے لگیں اور لوگ صرف تحریر پر اکتفاء کر کے بیٹھ جائیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کو قرآن کریم کو صحف کی صورت میں لانے پر کوئی اعتراض نہیں تھا، کیوں کہ قرآن کریم کی آیت ﴿رسول من الله یتلوا صحفاً مطهرة﴾ (ترجمہ: یعنی اللہ کے پیغمبر جو پاک صحف پڑھتے ہیں) کی موجودگی میں صحف کی صورت میں رکھنے پر کس طرح اعتراض کیا جا سکتا تھا:

''وتردّد الصدیقؓ بادئ بدء انما کان بملاحظة أن ذلک ربما یکون سبباً للتواکل فی حفظه، والتکاسل فی استظهاره لا باعتبار التحرج فی الکتابة. قال الله تعالیٰ: ﴿رسول من الله یتلوا صحفاً مطهرة﴾(البینة: ۲)،فأبی یتصور التحرج من کتابة آیات السور فی الصحف مع وجود هذه الآیة الکریمة''۔(۴۹)

قرآن کریم کس زبان میں لکھا گیا؟

تدوین قرآن کے وقت قرآن کریم کس زبان میں لکھا گیا؟ اس بارے میں کسی بھی روایت سے واضح طور پر معلوم نہیں ہوتا البتہ اس بارے میں حضرت عمرؓ سے مروی روایت ہے کہ قرآن کریم قبیلہ مضر کی زبان میں لکھا گیا:

''فقال عمر: اذا اختلفتم فی اللغة فاکتبوها بلغة مُضَر فان القرآن نزل علیٰ رجل من مضر''۔(۵۰)

قبیلہ قریش بنو مُضَر کا حصہ ہے، اس لیے قریش کو مضر کہہ دیا جاتا ہے۔ابو جعفر محمد بن حبیب (م۔۲۴۵ھ) لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنو مضر کو عرب کے تمام قبائل پر فضیلت دی ہے کیوں کہ بنو مُضَر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں، مناسک اور اسوۂ حسنہ کا زیادہ علم رکھنے والے تھے:

''فضل الله مُضَر بن نزار علی سائر العرب لأنهم کانوا أعلمهم بسنة ابراهیم علیه السلام وألزمهم بمناسکه''۔(۵۱)

روایاتِ تدوینِ قرآن اور ان میں تواتر:

محدثین کے طریقۂ تحقیق میں خبر احاد کو قطعی الثبوت اور واجب العمل کے مقام تک پہنچانے کے لیے متابعات و شواہد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ایک روایت جب متعدد سلسلۂ اسناد سے بیان کی جاتی ہے تو اس کی صحت اور قوت میں اضافہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جاتا ہے، اس لیے محدثین اور راویوں نے طویل سفر بھی کیے۔

اسی لیے محقق علماء اور محدثین نے تدوینِ قرآن بعہدِ صدیقی کے متعلق روایات کی کثرت اور شواہد و توابع کی موجودگی کی وجہ سے تواترِ معنوی میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابو عمر یوسف بن عبدالبرؒ (م۔۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

"وکان أبوبکر الصدیق قد أمرہ بجمع القرآن فی الصحف، والأخبار بذلک متواترۃ المعنی، وان اختلفت ألفاظها"۔(۵۲)

تدوینِ قرآن کی شرعی حیثیت:

تدوینِ قرآن کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس پر علمائے کرام نے باقاعدہ بحث کی ہے۔ چناں چہ تدوینِ قرآن کے شرعی طور پر جواز اور عدم جواز کی بحث کو خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے حضرت عمر فاروقؓ نے یہ کہہ کر ختم کر دیا تھا کہ "ھو واللہ خیر" کہ یہ تو سراسر بھلائی پر مبنی کام ہے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اجر حضرت ابوبکرؓ کا ہے حضرت ابوبکرؓ پر اللہ کی رحمت ہو۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی:

"أعظم الناس أجراً فی المصاحف ابوبکر فانه أول من جمع بین اللوحین"۔(۵۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی (م۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ کوئی بھی منصف مزاج شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عمل پر غور کرے تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ تدوین کا عمل ان کے فضائل میں شمار کیا جائے، اور یہ بات تو ان کے بلند مرتبت اور فضل و کمال کی نشان دہی کر رہی ہے کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اسے اس رواج کا اجر و ثواب اور اس پر عمل کرنے والوں کا ثواب ملتا رہے گا"، لہٰذا حضرت ابوبکرؓ کے بعد تا قیامِ قیامت جو بھی قرآن کریم ضبط تحریر میں لاتا رہے گا اس کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی ثواب ملتا رہے گا:

"واذا تأمل المنصف ما فعله ابو بکر من ذلک جزم بأنه یعد من فضائله وینوہ بعظیم منقبته الثبوت قوله ﷺ من سنّ فی الاسلام سُنّة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها، فما جمع القرآن أحد بعدہ الا وکان له مثل أجرہ الی یوم القیامة"۔(۵۴)

ابن بطال (م۔۴۴۹ھ) فرماتے ہیں کہ ابتداً حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت زید بن ثابتؓ کو قرآن کی تدوین سے متعلق تردد اس وجہ سے تھا کہ دونوں حضرات کے سامنے نبی کریم ﷺ سے قول، فعل یا سکوت کی صورت میں منسوب کوئی نظیر نہیں تھی۔ مگر جب حضرت عمر فاروقؓ نے ان حضرات کو اس بات سے آگاہ کیا کہ مدون نہ ہونے کی صورت میں مستقبل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم کے شہرت سے پردۂ اخفاء میں جانے کا اندیشہ ہے، ان دلائل کی وجہ سے یہ اکابر حضرات تدوین پر آمادہ ہو گئے۔
علامہ ابن بطال اکابر صحابہ کے اس باہمی مباحثہ اور مکالمہ سے اس اصول کا استنباط کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا کسی کام کو کرنا اور کسی کو ترک کر دینا اس کے وجوب اور حرمت پر دلالت نہیں کرتا ہے۔ جس طرح تدوین کے مسئلہ میں نبی کریم ﷺ قرآن کریم کو صحف کی صورت میں یکجا کیے بغیر اِس دارِ فانی سے تشریف لے گئے تھے، لہٰذا نبی کریم ﷺ کے اس نہ کیے ہوئے کام کو کرنے سے یقیناً حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے:

"قال ابن بطال : انما نفر أبو بكر أولاً ثم زيد بن ثابت ثانياً لأنهما لم يجدا رسول الله ﷺ فعله فكرها أن يحلا أنفسهما محل من يزيد احتياطه للدين على احتياط الرسول فلم نبهما عمر علىٰ فائدة ذلك وأنه خشية أن يتغير الحال فى المستقبل اذا لم يجمع القرآن فيصير الىٰ حالة الخفاء بعد الشهرة ، رجعا اليه . قال : ودل ذلك علىٰ أن فعل الرسول اذا تجرد عن القرائن وكذا تركه لا يدل علىٰ وجوب ولا تحريم". (۵۵)

علامہ ابوبکر محمد بن الطیب الباقلانی (م۔۴۰۳ھ) لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی رحلت کے بعد امت پر تدوین کا بارِ فرض کفایہ کے درجہ میں لازم ہو چکا تھا جس کو حضرت ابوبکرؓ نے کر کے فرض کفایہ کا فریضہ انجام دیا ہے۔ علامہ ابوبکر باقلانی اس کام کے لیے قرآن وسنت سے دلائل فراہم کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ (۵۶)، دوسری یہ آیت ہے: ﴿إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى﴾ (۵۷)، تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً﴾ (۵۸)۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھ سے قرآن کریم کے علاوہ کچھ بھی ضبط تحریر میں مت لاؤ: " لا تكتبوا عني شيئاً غير القرآن"۔ مذکورہ دلائل سے علامہ باقلانی یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہر ایسا کام جو قرآن کریم کو محفوظ کرنے میں مددگار ہو وہ واجب علی الکفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن کریم کو صحف کی صورت میں لانا خود آیات کریمہ اور فرمان نبوی کی صورت میں موجود ہے کیوں کہ قرآن تحریر صورت میں مگر متفرق صورت میں موجود تو تھا جس کو حضرت ابوبکرؓ نے ایک جگہ مدون کر دیا۔ حضرت عمرؓ اِس بات کو سمجھ گئے تھے کہ نبی کریم ﷺ کا قرآن کو بغیر تدوین کے چھوڑ دینا آپ ﷺ کے تدوین سے منع فرمانے پر دلالت نہیں کرتا۔ جب حضرت ابوبکرؓ پر عملِ تدوین کا صائب ہونا منکشف ہو گیا تو انہوں نے اپنا مؤقف بدل لیا۔ عقلی ونقلی ہر دو اعتبار سے ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی جو تدوین کے منافی ٹھہرتی ہو، اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کا اس پر اتفاق پایا جاتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"قال ابن الباقلانی : كان الذی فعله ابوبكر من ذلک فرض كفاية ، بدلالة قوله ﷺ لا تكتبوا عنى شيئاً غير القرآن، مع قوله تعالیٰ: ﴿ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴾، وقوله : ﴿ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ﴾، وقوله : ﴿ رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾فكل أمر يرجع لاحصائه وحفظه فهو واجب علىٰ الكفاية، قال: وقد فهم عمر أن ترک النبی ﷺ جمعه لا دلالة فيه علىٰ المنع، ورجع اليه ابو بكر لما رأى وجه الاصابة فی ذلک ، وأنه ليس من المنقول ولا فی المعقول ما ينافيه، وما يترتب علىٰ ترک جمعه من ضياع بعضه ، ثم تابعهما زيد بن ثابت وسائر الصحابة علىٰ تصويب ذلک". (۵۹)

مختصر یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے دیگر صحابہ کرام کے مشورہ وتائید سے قرآن کریم کو صحف کی صورت میں یکجا کرنے کا جو فریضہ انجام دیا، وہ بدعت یا نبی کریم ﷺ کے کسی قول وفعل کی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ یہ کام تو نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اُمت پر قرض تھا، اور فرض علیٰ الکفایہ کے درجہ میں تھا، جس پر عمل کر کے اُمت کے لیے آسانی کا راستہ پیدا کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کسی کام کو ادھورا چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے بلکہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم سینہ و سفینہ ہر دو صورتوں میں محفوظ کرنے کے بعد اکابر صحابہ کرام اور امت کے حوالے کیا۔ تدوین کا یہ کام قرآن ضائع ہونے کے بعد نہیں بلکہ ضائع ہونے کے خدشات کے پیش نظر مدون کیا گیا تھا۔ اس لیے شرعی نقطہ نظر سے غور کرنے والوں نے تدوین کو فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ میں شمار کیا ہے۔ اگر قرآن کریم سینہ وسفینہ ہر دو لحاظ سے رحلت نبوی کے بعد محفوظ نہ ہوتا تو جہاں ایک طرف نبی کریم ﷺ پر ادھورا کام چھوڑنے کا الزام ہوتا تو دوسری طرف اس کا محفوظ کرنا امت پر فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین کے درجہ میں ہوتا، اور خلافت اسلامیہ کا سب سے پہلا کام یہی ہونا قرار پاتا۔

تدوینِ قرآن کے فوائد وثمرات:

علامہ ابوسلیمان حمد بن محمد خطابی (م۔۳۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ اگر عہد نبوی میں قرآن کریم مدون کرلیا جاتا پھر بعد میں اس میں سے بعض آیات منسوخ ہو جاتیں تو یہ کمی وزیادتی دین میں اختلاف کا باعث بن سکتی تھی، اس سے دعوت اسلامی کا کام بھی متاثر ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ملحدین یعنی کفار کو قرآن کریم اور دین میں شکوک وشبہات اور طعن زنی کا موقع مل جاتا:

"فلو كان قد جمع بين الدفتين كله ،وسارت به الركبان وتناقلته الأيدی فی البقاع والبلدان،ثم قد نسخ بعضه ورفعت تلاوته لأدى ذلک الى اختلاف أمر الدين

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ووجود الزيادة والنقصان فيه وأوشک أن تنتقض به الدعوة وتتفرق فيه الكلمة وأن يجدالملحدون السبيل الى الطعن عليه والتشكيک فيه"۔(۶۰)

علامہ ابن بطال (م۔۴۴۹ھ) تدوینِ قرآن کے فوائد وثمرات اس طرح گنواتے ہیں کہ کتاب وسنت میں کوئی دلیل موجود نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ قرآن کریم کو دوگتوں کے درمیان محفوظ کرنے سے کوئی فساد واقع ہوگا، قرآن کریم کی نقل لینا آسان ہوگیا۔ جس کی طرف ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کرنا ممکن ہوگیا، اس طرح پارچہ جات اور کھجور کے ڈنٹھلوں وغیرہ سے قرآن کو حاصل کرنے کی حاجت نہیں رہے گی۔ اس طرح یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے اس کارِ عظیم کا اعتراف کیا جائے:

"وليس في أدلة الكتاب والسنة ما يدل على فساد جمع القرآن بين لوحين وتحصينه، وجمع هممهم على تأمله،وتسهيل الانتساخ منه، والرجوع اليه ،والغنى به عن تطلب القرآن من الرقاع والعسب وغير ذلک مما لا يؤمن عليه الضياع ، فوجب أن يكون أبوبكر مصيباً"۔(۶۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ لکھے ہوئے کو دوگتوں کے مابین جمع کر کے محفوظ کر دیا:

"فألّف المكتوب وصانه ، وأحرزه وجمعه بين لوحين"۔(۶۲)

ایسے ہی خدشات کا اظہار علامہ حسین بن مسعود الفراء بغوی (م۔۵۱۶ھ) ان الفاظ میں کرتے ہیں نبی کریم ﷺ نے امکان نسخ کے باعث قرآن کریم کو ایک مصحف میں مدون نہیں کیا تھا، اگر قرآن کریم دوگتوں کے مابین مدون کرلیا جاتا اور پھر بعد میں آیات منسوخ ہوجاتیں تو یہ بات قرآن کریم میں اختلاف اور دین میں اختلاط کا باعث بنتی:

"ويشبه أن يكون النبي ﷺ انما ترک جمعه في مصحف واحد،لأن النسخ كان يَرِدُ على بعضه،ويُرفِعُ الشيئ بعد الشيئ من تلاوته،كما يُنسخ بعض أحكامه،<u>فلو جمعه، ثم رُفعت تلاوةُ بعضه أدى ذلک الى الاختلاف،واختلاط أمر الدين</u>"۔(۶۳)

علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی (م۔۵۹۷ھ) تدوینِ قرآن کے فوائد وثمرات کے بارے میں لکھتے ہیں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو جو قرآن کریم کو مدون کرنے کا جو مشورہ دیا تھا وہ ایک مستحسن صائب رائے تھی جس سے قرآن کریم کمی و زیادتی سے محفوظ ہوگیا:

"وقال عمر لأبي بكر: (اني أرى أن تأمر بجمع القرآن) أي رأى حسن لا يخفى وجه الصواب فيه ، لأنه اذا جمع أمن أن يزاد فيه أو ينقص"۔(۶۴)

علامہ محمد زاہد الحسن الکوثری (م۔۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء) تدوینِ قرآن کی حکمت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ لکھے ہوئے اوراق سے آیات اور سورتوں کو یکجا نقل کرنے سے پہلے جب شہدائے یمامہ جیسے حادثات پیش آنے لگے تو مجبوراً حفاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن صحابہ کی موجودگی میں ان کی تحریر کردہ یادداشتوں سے اسے جمع کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی، تاکہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام نے جو رسم الخط سیکھا تھا اس میں قرآن کریم محفوظ رہے، چناں چہ حضرت عمرؓ کی نگاہ دور بین نے یہ تجویز پیش کی جس کی حضرت ابوبکرؓ اور دیگر صحابہ کرام نے تائید کی:

"شهداء اليمامة من قرّاء الصحابة ما كانوا استصحبوا شيئاً من القطع المكتوبة بمحضره عليه السلام المحفوظة في بيوتهم لنهية ﷺ عن ذلك، لكن اذا تكرر مثل هذه الحادثة قبل جمع الآيات في الصحف بالنقل من تلك القطع فانه يحصل اضطرار الى الجمع باملاء حفاظ القرآن من الصحابة عن ظهر القلب، فينسى الرسم الذى جرى عليه الصحابة بمحضر الرسول ﷺ فاقترح عمر ما اقترح"۔(۶۵)

خلاصہ بحث:

درج بالا بحث کا ماحصل یہ ہے کہ عہد نبوی میں قرآن کریم پارچہ جات، کھجوروں کے ڈنٹھل، پتھر کی تختیوں وغیرہ پر تحریری صورت میں موجود تھا جس کا نبی کریم ﷺ باقاعدہ اہتمام فرمارہے تھے۔مگر دربار نبوی کی طرف سے قرآن کریم کو صرف تحریری صورت میں ہی محفوظ نہیں کیا جارہا تھا بلکہ صلوٰۃ اور اس کی مختلف صورتوں یعنی نوافل اور شبینہ محافل کی ضرورت کے پیش نظر درس وتدریس کے ذریعے اس کے حفظ کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا جارہا تھا۔اس طرح حفظ وکتابت میں سے اپنی اہمیت کے پیش نظر حفظ کو ترجیح ہی حاصل تھی، کیوں کہ تواتر کا کتابت سے زیادہ حفظ سے گہرا تعلق ہے اور پھر عہد نبوی میں امکان نسخ، عرضہ اخیرہ اور آیات کی ترتیب حفظ ہی سے زیادہ محفوظ ومامون رہ سکتی ہے، تحریر اس پر زائد چیز ہے۔شاید اسی لیے عہد نبوی میں قرآن کریم دوگتوں کے مابین کتابی صورت یعنی مصحف کی صورت میں مدون نہیں کیا گیا۔اسی طرح عہد صدیقی میں جو تدوین عمل میں آئی اس میں قبول آیت کے لیے دوگواہیوں کی جو شرط رکھی گئی تھی اس سے مراد حفظ وکتابت ہی کی شرائط تھیں۔ اور حفظ کا چوں کہ تواتر سے گہرا تعلق ہے اس لیے اس حفظ وکتابت کی شرائط میں حفظ یعنی تواتر کو ترجیح دی گئی تھی، لہٰذا کسی آیت کا تحریری صورت میں مفقود ہونے کا امکان تو کیا جاسکتا ہے مگر اس کا حفظ یعنی تواتر کے لحاظ سے مفقود ہونا اور پھر اس کا خبر واحد سے اثبات کا فسانہ بعید از قیاس بات ہے۔اس طرح قرآن کریم عرضہ اخیرہ کے مطابق اور منسوخ آیات سے مامون قرآن کریم اکابر صحابہ کرام کی تائید وتعاون اور تصدیق سے صحف کی صورت میں باقاعدہ سرکاری طور پر مدون کیا گیا۔مگر اس مدون شدہ نسخہ کے علاوہ صحابہ کرام کے ذاتی مصاحف پر چوں کہ پابندی نہیں عائد نہیں کی گئی تھی، اس لیے صحابہ کرام کے ذاتی مصاحف اس معاشرہ میں متداول رہے۔ بعد میں عہد عثمانی میں ان ذاتی مصاحف پر پابندی لگا کر ان مصاحف کو حکومتِ اسلامیہ نے ضبط کرلیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

بحث کے تسلسل کے لیے پہلا حصہ دیکھیے :مجلّہ الاضواء جون ۲۰۱۳ء۔

۱۔ ابن جوزی، عبدالرحمٰن، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج ٦ ص ۳۱۸۔

۲۔ دیکھو: کرمانی، الکوکب الدراری بشرح صحیح البخاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۱ء، ج ۱۹، ص ۹۔

۳۔ ابن بطال، ابوالحسین علی بن خلف، شرح صحیح البخاری، مکتبہ الرشد، ریاض، ۲۰۰۰ء، ج ۱۰، ص ۲۲٦۔

۴۔ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: سورۃ التوبۃ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، (س۔ن)، ج ۱۸، ص ۳۸۳۔

۵۔ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن، ج ۱۰، ص ۲۴۔

٦۔ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب: ۲۲، ج ۱۵، ص ۱۷٦۔

۷۔ قسطلانی، شہاب الدین، ارشادالساری لشرح صحیح البخاری، کتاب: تفسیر القرآن، باب: قولہ ﴿لقد جاء کم رسول من أنفسکم﴾، المطبعۃ الکبریٰ، مصر، ۱۳۲۵ھ)، ج ۷، ص ۱٦۴۔

۸۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن، دارالفکر، بیروت، ۱۹۹٦ء، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۹۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب التفسیر، باب قولہ: ﴿لقد جائکم رسول من أنفسکم﴾، ج ۹، ص ۲۴٦۔

۱۰۔ ابن ابی داود، کتاب المصاحف، ص ۳۰۔

۱۱۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۱۲۔ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۱۳۔ زرکشی، بدرالدین، التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح، تحت حاشیہ ''ابن جوزی، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری''، ابن جوزی، ج ٦، ص ۳۱٦۔

۱۴۔ زرکشی، بدرالدین، البرھان فی علوم القرآن، النوع الثالث عشر: فی بیان جمعه ومن حفظه من الصحابة''، ج ۱، ص ۲۹۵۔

۱۵۔ دیکھیے: بخاری، جامع صحیح، کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن۔ امام بخاریؒ نے جامع صحیح میں چار مقامات پر یہ روایت نقل کی ہے جو حسبِ ذیل ہیں الف۔ کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن حدیث نمبر: ۴۹۸٦، ۴۹۸۷، ۴۹۸۸، ب۔ کتاب الأحکام، ج۔ کتاب التفسیر، حدیث نمبر: ۴٦۷۹، د۔ کتاب التوحید۔

علامہ زرکشیؒ نے شاید درج بالا روایت کو حسبِ ذیل روایت سے ملا دیا ہے: '' فأخبرناه الحسن بن أبی بکر أنا أبو عبدالله محمد بن عبدالله بن محمد الزنی الهروی أنا علی بن عیسی الحکانی، نا أبو الیمانی أخبرنی شعیب عن الزهری قال: أخبرنی خارجة بن زید الأنصاری عن أبیه قال: لما نسخت المصاحف فی الصحف فقدت آیة من سورة الأحزاب قد کنت أسمع رسول الله ﷺ یقرأها فالتمستها فلم أجدها الّا مع خزیمة الأنصاری الذی جعل رسول الله ﷺ شهادته بشهادة رجلین، قول الله تعالیٰ: ﴿من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه﴾ ''۔

۱٦۔ دیکھیے: ابن ابی ابوداود، کتاب المصاحف، ص ۲۹، باب: اخبار آیات متفرقة فی المصحف، مطبعہ رحمانیہ، مصر، ۱۹۳٦ء۔ خطیب بغدادی، الفصل للوصل، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ج ۱، ص ۲۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۵۸۔

۱۸۔ سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، طبعہ اولی، مطبعہ ازھریہ، مصر، ۱۳۱۸ھ، ج ۱، ص ۶۰۔

۱۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، جامع صحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ: ﴿لقد جآء کم رسول من أنفسکم﴾ (باب نمبر ۲۰

۲۰۔ بخاری، جامع صحیح، کتاب التوحید، باب قولہ تعالیٰ: ﴿و کان عرشه على المآء﴾۔

۲۱۔ صحیح بخاری میں لیث بن سعدؒ کی درج بالا روایت کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ لیث بن سعد کی روایت کا اتصال علامہ ابوالقاسم بغوی (م ۔ ۳۱۷ھ) نے معجم الصحابہ میں کچھ اس طرح کیا ہے: ''و رواية الليث هذه وصلها أبو القاسم البغوى فى (معجم الصحابة) من طريق أبى صالح كاتب الليث عنه به ''، دیکھیے: ابن حجر، فتح الباری، ج ۹، ص ۲۴۶۔ ابوالقاسم بغوی کے اپنے الفاظ کچھ اس طرح ہیں: ''حدثنى احمد بن منصور ناأبو صالح ثنى الليث حدثنى عبدالرحمٰن بن خالد بن مسافر كلهم عن ابن شهاب عن عبيد بن السباق عن زيد بن ثابت ''۔ دیکھیے: بغوی، ابوقاسم، معجم الصحابہ، حدیث نمبر: ۸۴۶، مکتبہ دار البیان، کویت، ۲۰۰۰ء۔

۲۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مترجم: مولانا محمد حلیم انصاری، میر محمد کتب خانہ، کراچی، (س ۔ ن)، ج ۱، ص ۱۴۷۔

۲۳۔ ملاحظہ ہو: الاتقان فی علوم القرآن، طبعہ اولیٰ، مطبعہ ازھریہ، مصر، ۱۳۱۸ھ، ج ۱، ص ۶۰۔

۲۴۔ ملاحظہ ہو: سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، قدّم له و علّق عليه: الأستاذ محمد شريف سُكّر، راجعه: الأستاذ مصطفى القصّاص، الجزء الأول، مکتبہ المعارف الریاض، سعودی عرب، ۱۹۹۶ء/۱۴۱۶ھ، ص ۱۶۶ ۔ ۱۶۷۔

۲۵۔ ملاحظہ ہو: (سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، حقّقه وعلّق عليه و خرّج أحاديثه: فوازأحمد زمرلی، ص ۱۹۔ ابن اشتہ کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو: (سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، خرّج أحاديثه: احمد بن شعبان بن احمد، جلد ۱، صفحہ ۱۶۶، مکتبہ الصفا قاھرہ، مصر، ۲۰۰۶ء/۱۴۲۷ھ)، (سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، حقّقه وعلّق عليه و خرّج أحاديثه: فوازأحمد زمرلی، ص ۱۵٦، دارالکتاب العربی بیروت، لبنان، ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ۔ اسی طرح احمد بن علی کی تحقیق سے الاتقان فی علوم القرآن کا جو نسخہ شائع ہوا ہے وہ بقول محقق مخطوطہ سے ایڈٹ شدہ ہے۔ اس میں ابوخزیمہ کی بجائے خزیمہ بن ثابت کے الفاظ ہیں۔ اگر یہ نام مخطوطہ میں واقعی اسی طرح ہے تو اس سے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے۔ دیکھو: سیوطی، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق: احمد بن علی، دارالحدیث، قاہرہ، مصر، ۲۰۰۶ء، ج ۱، ص ۱۸۹۔

۲۶۔ سیوطی، جلال الدین، التوشیح شرح الجامع الصحیح، تحقیق: رضوان جامع رضوان، تحت بحث: کتاب فضائل القرآن، باب: جمع القرآن، مکتبہ الرشد، ریاض، سعودی عرب، ۱۹۹۸ء، ج ۷، ص ۳۱۶۹۔

۲۷۔ ابن بطال، ابوالحسین علی بن خلف، شرح صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۲۲۶۔

۲۸۔ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: سورۃ التوبۃ، ج ۱۸، ص ۳۸۳۔

۲۹۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۸۔ ابن ابی داود، کتاب المصاحف، باب: اخبار آيات متفرقة فى المصحف، ص ۳۰۔

۳۰۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۹۔ ابن ابی داود، کتاب المصاحف، باب: اخبار آيات متفرقة فى المصحف، ص ۳۱۔

۳۱۔ ابن ابی داود، کتاب المصاحف، باب: جمع القرآن، ص ۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۲۔ ابن ابی داود، کتاب المصاحف، باب: جمع القرآن، ص۶، ۷۔

۳۳۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۳۴۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۳۵۔ اس بحث کے بعد ان غیر تحقیقی توجیہات کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جو عام طور پر بیان کی جاتی ہیں، مثلاً دیکھیے: محمود غازی، محاضراتِ قرآنی، فاران پبلی کیشنز، لاہور، ص۱۳۲۔۱۳۴

۳۶۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۸۔

۳۷۔ کرمانی، محمد بن یوسف، الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری، طبع دوم، ۱۹۸۱ء، ج ۱۷، ص ۱۴۸۔۱۴۹۔ عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری، ج ۱۸، ص ۳۸۲۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۸۔۱۹۔

۳۸۔ زرکشی، البرھان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۰۱۔

۳۹۔ علی متقی ہندی، کنز العمال، الباب السابع: فی تلاوۃ القرآن وفضائله، الفصل الأول: فی فضائله، ج ۱، ص ۳۶۲۔

۴۰۔ ابن حجر، فتح الباری، ج ۱۰، ص ۱۹۔

۴۱۔ ابن شبہ، ابوزید، کتاب تاریخ المدینۃ المنورۃ، اخبار المدینۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۱۸، روایت نمبر: ۱۷۱۶۔ ابن حجر نے فتح الباری میں جو الفاظ روایت کیے ہیں ان میں ''ربعة'' کی بجائے ''رقعة'' کا لفظ ہے۔ ابن حجر نقل کرتے ہیں: ''وعند ابن أبی داود من طریق محمد بن سیرین قال: وأرسل الی الرقعة التی فی بیت عمر''، ابن حجر یہ روایت محمد بن سیرین کی سند سے ابن ابی داود کی کتاب المصاحف سے نقل کرتے ہیں، جبکہ ابن ابی داود کی کتاب کا موجودہ نسخہ جو آرتھر جیفری کا ایڈٹ شدہ ہے اور اسی طرح محب الدین عبدالسبحان واعظ کا ایڈٹ کیا ہوا نسخہ دونوں میں ''ربعة'' ہی کا لفظ ہے۔ دیکھو: ابن ابی داود، کتاب الصاحف، ایڈیٹر: آرتھر جیفری، ص ۲۵، مطبعہ رحمانیہ، طبعہ اول، ۱۹۳۶ء۔ اڈیٹر: محب الدین عبدالسبحان واعظ کے محقق نسخہ کا صفحہ نمبر: ۲۱۳، روایت نمبر: ۸۹۔ اسی طرح ابن کثیر ''ثنا اسحاق بن ابراهیم بن زید ثنا أبو بكر بن هشام بن احسان عن محمد ابن سیرین عن كثیر بن أفلح قال: .... فبعثوا الی الربعة التی فی بیت عمر'' کی سند کے ساتھ لفظ ''ربعة'' ہی روایت کرتے ہیں، دیکھو: فضائل القرآن، ص ۴۴۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ سخاوی ''حدثنا عبد الأعلى بن قال: حدثنا هشام، عن محمد: قال: فأرسل الی الربعة التی كانت فی بیت عمر'' نے بھی ''ربعة'' کا لفظ نقل کیا ہے، دیکھو: جمال القرّاء وکمال الاقراء، ص ۲۶۶، دار البلاغہ، لبنان، ۱۹۹۳ء۔ مگر ابن شبہ نے جو روایت نقل کی ہے: ''حدثنا عبد الأعلى بن عبد الأعلى، قالِ حدثنا هشام، عن محمد قال: وأرسل الیَّ الرقعة التی كانت فی بیت عمر'' اس میں ''رقعة'' کا لفظ ہے۔ لیکن یہی روایت اسی سند کے ساتھ ابن ابی داود نے بھی نقل کی ہے اور اس میں ''ربعة'' کا لفظ ہے۔ دیکھو: ابن ابی داود، کتاب الصاحف، ایڈیٹر: آرتھر جیفری، ص ۲۵۔ اڈیٹر: محب الدین عبدالسبحان واعظ کے محقق نسخہ کا صفحہ نمبر: ۲۱۳ تا ۲۱۲، روایت نمبر: ۸۷، راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اصل لفظ ''ربعۃ'' ہی تھا، ابن شبہ نے ''رقعۃ'' کا لفظ معناً روایت کیا ہے۔

۴۲۔ اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، تحت مادہ: ر، ب، ع، ج ۱، ص ۱۸۶۔

۴۳۔ ابن کثیر، فضائل القرآن، مطبعہ المنار، مصر، ۱۳۴۸ھ، ص ۴۵۔

۴۴۔ زمخشری، محمود بن عمر جاراللہ، اساس البلاغۃ، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص ۱۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۵۔ ابن منظور، لسان العرب، تحت مادہ: ر، ب، ع۔

۴۶۔ زَبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواهر القاموس، تحقیق: عبد الستار، التراث العربی کویت، مطبعۃ حکومۃ الکویت ۱۹۶۵ء، تحت مادہ

۴۷۔ زَبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس۔

۴۸۔ کتانی، عبد الحی، التراتیب الاداریۃ، ناشر: حسن جعنا، بیروت، ج ۲، ص ۲۸۹۔ شاید یہ حضرت سعد بن عائذ القرظ ہیں جو حضرت عمار بن یاسر کے غلام ہونے کے ساتھ ساتھ مؤذن رسول اللہ ﷺ بھی تھے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں مسجد قباء میں اذان دیا کرتے تھے۔ اسی طرح یہ عہدِ صدیقی اور عہدِ فاروقی میں بھی مؤذن رہے۔ (ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، (ذکر من اسمہ سعد ساکن العین)، ج ۱، ص ۴۲۹۔

۴۹۔ الکوثری، محمد زاہد، مقالات الکوثری، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، طبع اول ۱۳۷۲ھ، ص ۸۔

۵۰۔ علی متقی ہندی، کنز العمال، حدیث نمبر: ۴۷۵۷۔

۵۱۔ محمد بن حبیب، المنمق فی أخبار قریش، حیدر آباد دکن، ۱۳۹۰ھ، ص ۲۱۔ ابن خلدون، کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر (معروف بہ تاریخ ابن خلدون)، ج ۲، ص ۳۵۰۔

۵۲۔ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، تذکرہ: زید بن ثابت تذکرہ نمبر: (۸۴۵)، ج ۲، ص ۱۱۲۔

۵۳۔ ابن ابی داؤد، ابو بکر عبد اللہ، کتاب المصاحف، تحقیق: آرتھر جیفری، مکتبہ رحمانیہ مصر طبع اول، ۱۹۳۶ء، ص ۵، باب: جمع القرآن۔

۵۴۔ ابن حجر، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، (س۔ن)، کتاب: فضائل القران، باب: جمع القرآن، ج ۹، ص ۱۳، ۱۴۔

۵۵۔ ایضاً، ج ۹، ص ۱۴۔

۵۶۔ القیمۃ: ۱۶۔

۵۷۔ الاعلیٰ: ۱۸۔

۵۸۔ البینۃ: ۲

۵۹۔ ابن حجر، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، (س۔ن)، کتاب: فضائل القران، باب: جمع القرآن، ج ۹، ص ۱۴۔

۶۰۔ خطابی، ابو سلیمان حمد بن محمد، أعلام السنن فی شرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج ۲، ص ۳۳۸۔

۶۱۔ ابن بطال، شرح صحیح البخاری، ج ۸، ص ۲۶۵۔

۶۲۔ ابن بطال، شرح صحیح البخاری، ج ۸، ص ۲۶۶۔

۶۳۔ بغوی، محی السنۃ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء، شرح السنۃ، تحقیق و تعلیق: شعیب الأرناؤوط، محمد زہیر الشاویش، المکتب الاسلامی، بیروت، ج ۴، ص ۵۱۹۔

۶۴۔ ابن جوزی، کشف المشکل، ج ۶، ص ۳۱۶۔

۶۵۔ الکوثری، محمد زاہد الحسن، مقالات الکوثری، ص ۹۔

© rasailojaraid.com